

نقلی نوٹ

عمیر اسلم

آپ نے وہ مثل تو ضرور سنی ہوگی ”اٹے بانس بریلی کو“ اس مختصر سی کہانی میں آپ کو اس کی عملی تفسیر نظر آئے گی۔

ایک فنکار کا قضیہ اسے ایک روز اس جیسا فنکار نکرا گیا تھا

کبھی نہ کر پایا۔ انہی دنوں میری ملاقات استاد رشید سے ہوئی۔ میرے لیے وہ رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا وہ ایک ماہر جیب کتر تھا اس نے نہ صرف میرے قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا بلکہ اپنی شاگردی میں لے لیا۔

استاد رشید کی سرپرستی میں جلد ہی میں اپنے فن کا ماہر ہو گیا اب میرے پاس اچھے لباس اور بہترین سواری تھی۔ بینک بیلنس بھی روزانہ ہزاروں کے حساب سے بڑھ رہا تھا، سلمیٰ ان دنوں اسی بینک میں عارضی ملازم تھی میں دن میں بینک کے کئی کئی چکر لگاتا تھا۔ وہ مجھے بار بار سمجھاتی کہ آپ سارے دن کی آمدن کو شام کے وقت بینک کے بند ہونے سے پہلے ایک بار ہی جمع کروادیا کریں لیکن میں اسے کیسے بتاتا کہ ایک بار اس کا دیدار نا کافی ہے میں اسے بار بار دیکھنے کا تمنائی ہوں پھر ایک روز اس نے پوچھ ہی لیا۔ ”مسٹر عارف آپ روزانہ تیس سے پینتیس ہزار جمع کرواتے ہیں آخر آپ کی آمدنی کا ذریعہ کیا ہے۔“ میں ذرا سا گڑبڑا گیا۔ یہ تو میں نے بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ ایسا سوال بھی کر سکتی ہے۔

”میں ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور چلاتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”خوب“ میں اس شہر کے تمام ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے واقف ہوں آپ کس اسٹور کے مالک ہیں۔“ اس کے پوچھنے میں اشتیاق تھا میں گھبرا گیا۔ وہ سامنے آتی تھی تو جیسے عقل کو زنگ لگ جاتا تھا میں پھر بھول گیا کہ وہ بھی اسی شہر میں رہتی ہے اور شہر کے تمام چھوٹے بڑے اسٹورز سے واقف ہوگی۔ ”وہ دراصل اسٹور اس شہر میں نہیں ہے۔“ اور پھر میں

میں زمانے کی تیزی کو کوستا ہوا تھکے قدموں سے بازار میں گھوم رہا تھا جس طرف دیکھو عورتوں کا ہجوم نظر آ رہا تھا۔ بڑے بڑے شاپنگ بیگ ہاتھ میں اٹھائے وہ میری بے بسی کا مذاق اڑاتی نظر آ رہی تھی۔ مرد حضرات تو جیسے شاپنگ کرنا ہی بھول گئے تھے۔

عید کا رش تھا لیکن اس کے باوجود خال خال ہی مرد حضرات شاپنگ کرتے نظر آ رہے تھے۔ میں صبح سے قریب سولہ افراد کی جیب کاٹ چکا تھا اور ان سولہ افراد کی جیب سے زیادہ تر کریڈٹ کارڈ ہی نکلے تھے جن کا بندل بنا کر میں نے کچرے کے ڈرم میں پھینک دیا تھا۔ میں نے ایک ہفتہ پھر دل میں رقم کا حساب لگایا میرے پاس مجموعی طور پر بیس ہزار کی رقم جمع ہو چکی تھی۔ ابھی مجھے پانچ ہزار مزید جمع کرنے تھے کیونکہ مجھے میری بیوی سلمیٰ نے عید کی خریداری کے لیے پچیس ہزار روپے کی رقم کا کہا تھا۔ میں اپنی تھکاوٹ اتارنے کے لیے قریبی کیفے میں داخل ہو گیا۔

میں کچھ دیر آرام کے بعد پھر اپنے کام پر نکلنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کیونکہ مجھے سلمیٰ کے لیے پچیس ہزار روپے کی رقم درکار تھی۔ ہماری شادی کو دو سال ہو گئے تھے اور آج تک میں نے اس کی ہر فرمائش پوری کی تھی اور کیوں نہ کرتا وہ میری محبت تھی۔ مجھے وہ دن یاد آنے لگا جب میری شہرت ایک آوارہ لڑکے کے طور پر زبان زد عام تھی میں جو ابھی کھیلتا تھا لیکن اس معاملے میں قسمت مجھ پر ہمیشہ قہر برساتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی رقمیں ہار کر میں ایک بڑے قرض کے بوجھ تلے آدب گیا تھا۔ کوئی راہ فرار باقی نہ بچا ایک دو بار سوچا چوری چکاری یا لوٹ مار شروع کر دوں مگر اتنی ہمت

Downloaded From

Paksociety.com

مجھے ایک نوجوان نظر آیا اس کی جیب میں اس کا پرس بہت پھولا ہوا نظر آ رہا تھا پھر ایک جگہ جب اس نے کسی چیز کا بل دینے کے لیے پرس نکالا تو میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اس کے پرس میں مجھے کئی نیلے اور سبز نوٹ نظر آئے۔ میرے خیال میں اس کے پاس چاکیس سے پچاس ہزار روپے نقد موجود تھے۔ اس سے پہلے کہ اس کو کوئی اور اچک لے جاتا میں نے اس کے پرس پر ہاتھ صاف کرنے کی ٹھان لی اور پھر ایک پرجوم جگہ سے گزرتے ہوئے اس سے لکرا گیا اس سے اس خندرت کی اس کے چہرے پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ میں جلدی سے پبلک ٹرانسلٹس کی طرف بڑھا۔ میرا چہرہ اس کامیابی سے جگمگا رہا تھا۔ میں نے ایک لمبی رقم اڑائی تھی میں نے دھڑکتے دل سے اس کا پرس نکالا یہ واقعی نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ جب میں نے نوٹ باہر نکالے تو میرا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ پہلے ایک نوٹ کے علاوہ سب نوٹ لٹلی تھے حتیٰ کہ پرس میں موجود اے ٹی ایم کارڈ، کریڈٹ کارڈ اور شناختی کارڈ بھی لٹلی تھے۔ شناختی کارڈ پر نمبر کی جگہ ایک مشہور ہوٹل کا نمبر درج تھا میں اس صورت حال پر بھونچکا تھا۔ میں حیران تھا کہ وہ ان جعلی نوٹوں سے آخر کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگلے ہی لمحے مجھ پر حیرت سے قیامت گزر گئی۔ میری جیب سے میرا اپنا پرس غائب تھا وہ مجھے دو اصلی نوٹ دے کر میرے بیس ہزار مالیت کے اصلی نوٹ لے گیا تھا۔

نے اسے ایک دور دراز شہر کا نام بتایا جہاں اسٹور موجود تھا۔ میرے بتانے پر اس نے مجھے مشکوک سی نظروں سے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو۔

وہاں کیا بینک نہیں ہے جو تم اتنی دور اس شہر میں پیسے رکھواتے ہو یا شاید اس لیے کہ وہاں سے پیسے اڑ کر میرے پاس پہنچ جاتے ہیں بھی میں دن میں کئی کئی بار انہیں جمع کروانے پہنچ جاتا ہوں خیر اس کی خاموشی میں میری عافیت تھی۔ میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مزید کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔ اب میری سمجھ میں بات آگئی تھی دل تو بہت مچلتا تھا مگر میں دن میں صرف ایک بار بینک جایا کرتا تھا وہ بھی بینک کے بند ہونے سے کچھ دیر پہلے اور اپنی تمام آمدن جمع کروانے کے واپس آ جایا کرتا تھا پھر آخرا ایک دن حوصلہ کر کے میں نے سلمیٰ سے اپنے دل کی بات کہہ دی اس نے بھی میری پذیرائی کی اور کچھ ہی عرصہ میں ہم دونوں کی شادی ہو گئی۔ میں اپنے ماضی سے پھر حال میں لوٹ آیا۔

جس کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے میں نے وقت دیکھا مجھے یہاں بیٹھے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا۔ میں جس کا بل دے کر باہر نکل آیا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی سورج کی حدت کم ہو گئی تھی اور بازار کی گہما گہما بھی بڑھ گئی تھی مگر وہی نظارہ تھا۔ رنگین نسوانی آچھل اور مترنم نقرائی، قہقہے میں نے سنی سے منہ بنا لیا ایک مونا شکار ڈھونڈنے کے لیے مجھے پھر سے محنت کرنا پڑے گی۔ کاش عورتوں کی بھی کوئی جیب ہوتی پرس نہ ہوتے میں آہستگی سے بڑھ آیا۔

شام بھی ڈھلنے لگی تھی اور رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا جب

